ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1, 2024

غالب اور سودائے غزل خوانی: تنقیدی مطالعہ

Ghalib and his passion for Ghazal: A Critical Study

ڈاکٹر صفدر رشید، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر قاسم یعقوب، لیکچرار، شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

Why Mirza Ghalib's poetry is fresh even after almost two centuries? Much has been written on his classical as well as modern bent of mind. He has been called the last of the classicist and first of the modern Urdu poets. The present article deals with the problem that how having been inspired by the colonial modernity, he opted for traditional Ghazal. It tries to understand Ghalib by dividing him in his Self and his Persona.

کلیدی الفاظ: غالب، غزل، غزل خوانی، ناقدینِ غالب

غالب کو سمجھنے کے لیے ہم غالب کو بطور شخص اُن کی ذات (Self) اور شخصیت(Persona) میں تقسیم کر کے دیکھتے ہیں۔ پھر اُس تہذیب کو شناخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں غالب سانس لے رہا تھا، مگر یہ سوال بدستور قائم رہتا ہے کہ سماج کی بدلتی اقدار اور نئی ایجادات نے جس نئے زمانے کی نوید سنائی تھی غالب اُس سے باخبر ہونے کے باجود لاتعلق کیوں رہے۔ نئے سماج کی جدت نے غالب کو جدید نہیں کیا۔ غالب کی زندگی اپنے اردگرد انقلابات سے بدلتے سماج کا مشاہدہ کر رہی تھی مگر انھوں نے فکری سطح پر براہِ راست اثر قبول کرنے کی بجائے اپنے تخیلی نظام کو اُسی نہج پر قائم رکھا جو اوائلِ عمر میں ترتیب دیا تھا۔ وہ فکری نظام کیا تھا؟ غالب کی ذات کون سی داخلی لاشعوری ترجیحات متعین کر چکی تھی جو عمر بھر غالب کے خانۂ لاشعور سے جھلکتا رہا؟ کیا یہ فکری نظام محض اسلوبِ حیات تھا یا رابطہ کائنات تھا؟ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر ناقدینِ غالب کا دھیان سب سے کم گیا ہے کہ وہ کس تخیلی نظام کے اسیر تھے۔ اُنھوں نے کن فکری ترجیحات کو پہلے دن سے اپنی وجدانی ساخت کا حصہ بنا لیا تھا جس کو توڑنے کی جرات انھیں خود بھی نہ ہو سکی۔ وہ تمام تبدیلیاں جو گزرگاہِ حیات میں دکھائی دیتی رہیں، غالب کے نظامِ فکر کے آگے ہیچ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ غالب کے اقداری نظام کو توڑنا یا تبدیل کرنا تو دور کی بات، پوری طرح اثر انداز بھی نہ ہوئیں۔ وہ فکری سطح پر جس تصورِ کائنات کی تشکیل میں لگے تھے اُسے سماج کی خارجی یا داخلی تبدیلیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ ان سے ماورا یا تمام اوضاع کے کُل کے برابر تھی۔ غالب کا فکری نظام باقاعدہ اور تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا فلسفیانہ نظام تھا۔ جو ان کی زندگی کی دوسری دہائی سے شروع ہوا اور آخری، ساتویں، دہائی تک جاری رہا۔ یہ غالب کا جہاں بیں تصورِ حیات تھا۔ یہیں سے کائنات اور شعور و لاشعور کے درمیان غیر مرئی رشتے تشکیل ہوتے رہے۔ خارجی افعال و اطوار، بناوٹیں، ہیئتیں، اور وضع قطع خواہ وہ اُن کی بدلتی تہذیب میں ظاہر ہوئیں یا اُن کی شخصیت میں، اُن کے داخلی تصورِ حیات و کائنات سے میل نہ کھانے کی وجہ سے وہ عدم مطابقت کا شکار رہیں۔ غالب کی شاعری جس اصول موضوعہ کے زیرِ اثر سمجھی جانی چاہیے وہ داخلی خود مختار نظام ہے جس میں مختلف فکری جہات ایک ایک کر کے جڑتی اور کُل بناتی دکھائی دیتی ہیں۔ غالب کا اپنا سماجی کردار بھی اس سے بارہ پتھر باہر رہتا ہے۔

ناقدینِ فن نے غالب کی شخصیت کے تناظر میں اُن کی فکر کا تجزیہ کیا جس سے بہت اچھے نتائج بر آمد نہ ہو سکے۔ فکری تصورات کو شخصیت میں ڈھونڈنا یا شخصیت کو تصوراتِ فن کے آئینے میں دیکھنے سے محدود نتائج مرتب کئے گئے۔ کچھ سوانح نگاروں نے غالب کو اُس زمانے کے حالات میں جدید تر کرنے کی کوشش کی مگر اُن کے لسانی، ہیئتی اور شعریاتی رجحانات کی قدامت سے اُنھیں جدید ثابت کرنے میں ناکام رہے۔ غالب ان حوالوں سے قدیم تر تھے کہ انھوں نے پرانی زبان اور اُس شعریات کا انتخاب کیا جو ختم ہوتی تہذیب کی نمائندہ تھی۔ فارسی تہذیب اپنے آخری سانسوں پر تھی۔ غالب کی زندگی کی آخری دہائیوں تک آتے آتے نہ صرف مغل انتظام بلکہ تہذیبِ فارس بھی اپنا بوریا بستر لپیٹ چکی تھی۔ نئی اصناف کا دور دورہ تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک نئے اسلوبی پیرائیوں نے جگہ بنانا شروع کر دی تھی۔ غالب پرانی شعریات میں قدیم صنف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1, 2024

سخن 'غزل' کو اظہار کا سانچا بنائے بیٹھے تھے مگر پھر بھی وہ سب کچھ کہہ گئے جو جدید تر اصناف میں نئی شعریات کے توسط سے بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ سرگشتۂ خمار رسوم و قیود نہیں تھے۔ وہ اپنی تمنا کے اگلے قدم کو رکھنا جانتے تھے مگر انھوں نے غزل ہی کو اپنا اظہار بنائے رکھا۔ صرف غزل ہی نہیں، مثنوی، قصیدہ، قطعہ، رباعی وغیرہ اصنافِ سخن کو بھی اپنی فکری کائنات سمجھا۔ سخن آرائی کی جمالیاتی اقدار بھی وہی رکھیں جو صدیوں سے فارسی ادب کا حصہ تھیں۔ مرثیوں، سلام یا سہروں میں اُنھی اصطلاحی پیرائیہ سخن کو اولیت دی جو اسلوبِ فارس کا جمال و فن تھا۔ مگر اسی قدیم شعریات میں غالب نے اس قدر مختلف اور روایتِ زمان و مکان سے آگے کا کہا کہ اسلوب، شعریات یا تنگنائے اصناف بہت پیچھے رہ گئے۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"جب ہم غالب کی تحریروں سے ان کے تنقیدی خیالات کو جمع کر کے ایک نظریہ وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ اُسی روایت کے حامل و عامل ہیں جس پر میر و سودا اور اس روایت کے دوسرے شاعر چل رہے تھے۔ اس روایت میں سارا زور الفاظ، تراکیب اور وزن کی صحت پر دیا جاتا تھا۔ غالب بھی اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے ہوئے جن غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہیں، وہ زبان و بیان ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اپنے زمانے کے پیشہ ور شاعر ہیں اور اپنے پیشے کی پرانی روایت و رسوم کو سختی سے قائم رکھتے ہیں۔ وہ عرفی، طالب، حافظ، صائب بیدل، ظہوری وغیرہ کے پیرو ہیں اور کلام کی سند شعرائے قدیم ہی کے ہاں تلاش کرتے ہیں اور وہ بات جو کسی پرانے شاعر نے نہ کہی ہو، اسے مستند نہیں مانتے۔"(۱)

غالب قدیم اسلوب و زبان کو پسند ضرور کرتے تھے مگر اپنے خیال کے فلسفیانہ نظام میں وہ جدید تر تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قدیم پیرائیوں میں حد درجہ مختلف سوچ رہے تھے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ غالب اپنے اسلوبی خصائص کی خوشہ چینی فارسی کی مٹتی تہذیب کے انھی سر آورہ شاعروں سے کر رہے تھے جو نئے ثقافتی و تہذیبی روایات کے آگے ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ غالب خود مارچ ۱۸۵۹ میں ایک خط میں لکھتے ہیں:

"بہر حال حضرت کو معلوم ہے کہ میں اہلِ زبان (یعنی اہلِ ایران) کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں۔ جب تک قدما یا متاخرین مثل صائب، کلیم، اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اس کو نظم و نثر میں نہیں لکھتا۔"(۲) سبکِ ہندی کے صائب، کلیم، اسیر اور حزیں قصۂ پارینہ ہو چکے تھے۔ غالب جس تخیلاتی وسعت کو اپنے دامن میں سمیٹ چکے تھے، اُسے کم از کم ان قدیم اقدار کی رُو سے زندہ و حیات آمیز کرنا ممکن کام تھا۔

غالب اپنے اظہار کے لیے سخن آرائی کی وسعت کو کم خیال کرتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ اس کم مائیگی کا اعتراف کرتے ملتے ہیں۔ وہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ زندگی کی مخاصمات اور کشمکش نے انھیں جس طرح کی متوازیات کا رنگ و روغن عطا کیا ہے اُسے بیان کے خارجی کینوس پر اُتارا ہی نہیں جاسکتا۔ کشف کی اس حالت میں کہ انسان اپنے اندر معنی کی اُس شدت کو محسوس کرے، شبنم کی اُس پیدائش سے مشابہ ہے جو اپنی اصل میں صبا ہے مگر فشارِ تنگیِ خلوت میں غنچے کے پردے میں جا نکلتی اور ہیئت بدل لیتی ہے۔

چشمِ نرگس میں نمک بھرتی ہے شبنم سے بہار
فرصتِ نشو و نما سازِ شکیبائی نہیں(۳)

یوں غالب غزل خوانی کو اپنے خیالات کی پارہ سیمابی اور رنگین نوائی کے آگے محدود تصور کرتے۔ یہ عام جذباتی کیفیت ہے کہ شدتِ جذبات یا فکری بالیدگی کی جولانیوں کی رزم گاہ میں غوطہ زن اپنے داخل اور خارج کو باہم ایک کرنے کا مرحلہ طے نہیں کر پاتے۔ نہ یہ ایک ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہونا چاہیے اگر داخل کی حدیں خارج کے ساتھ مل جائیں تو اُسے کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ سب کچھ بغیر کہے اپنے داخل سے خارج میں منتقل ہونے لگتا ہے۔ اس حوالے سے ناقدینِ غالب نے اظہار کی خارجی شکل کو محض 'غزل' سمجھ لیا جس سے اُن کی جدتِ طبع کا سراغ لگایا جانے لگا۔ غالب جو اظہار کے وجد کو جو داخل میں ایک سیلِ بے اختیار کی طرح رواں دواں دیکھتا ہے، خارج کی نمود سے عدم مطابقت کی بنا پر اظہار کے کسی نئے منظر نامے کی خواہش کرتے ہیں تو ناقدین نے اسے نئی صنف کی تمنا سے مشابہ قرار دے دیا۔ غالب نے کہیں بھی غزل سے ہٹ کے نئی صنف کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی اُن کے نظامِ فکر و فن میں نئی اصناف یا تخلیقی تجربے کی گنجائش موجود تھی۔

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے(۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1, 2024

اس شعر کو غالب کے اظہار و فن میں نئی ہیئتی راستوں کی تلاش کی خواہش کہا جاتا ہے۔ غالب نے لسانی، اسلوبی یا ہیئتی کسی بھی سطح پر تجرباتی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔اس شعر میں غزل سے مراد 'شعری اظہار' ہے صنف غزل نہیں۔

آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے
اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے(۵)

اظہار کی تنگنائے کبھی بھی اُس وسعت کو سمیٹ نہیں سکتی جو دامن میں تصادم خیز لہروں کا باعث بنتی ہے۔ بہت محدود اور بہت مختلف فن کے پردے پر عیاں ہوتا ہے۔ غزل یعنی شاعری یا سخن آرائی داخلی کیفیات اور فکری وسعتوں میں ذات اور شخصیت کی مثل ہے جس طرح ذات کی بے پایاں اور لامحدود گہرائیاں شخصیت میں جلوہ گر نہیں ہو سکتیں، اسی طرح داخل کی کشمکش، تضادات، حزن و یاس کی کُل کائنات خارج میں نہیں آسکتی۔ غالب کے حوالے سے جدت اور 'نئے پن' کے حوالے سے یہ عجیب لگتا ہے کہ غالب اسلوبی معنوں میں جدید نہیں تھے۔ اس ضمن میں عبد اللطیف نے غالب کا دفاع کرتے ہوئے بھی غالب کے اس پہلو سے انکار کیا۔ وارث علوی نے عبدللطیف کے تجزیے کو درست تسلیم نہیں۔ وارث علوی کہتے ہیں:

''عبد الطیف نے غالب کے متعلق اور بھی عجیب عجیب باتیں کہی ہیں جو آج کے قاری کو نہایت مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا کہ غالب نے شاعری میں کوئی نیا راستہ نہیں نکالا اور روایری پامال راستے پر چلتے رہے اور ان کا نیا پن آیا بھی توان قنوطیت سے آیا جو لازمی نتیجہ تھی ان تمنائوں کی پائمالی کا جنھیں دنیا نے پورا نہیں کیا۔''(6)

غزل بطور سخن دیگر اشعار دیکھیے:

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سُن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں(۷)

مجھے انتعاشِ غم نے پئے عرض حال بخشی
ہوسِ غزل سرائی، تپشِ فسانہ خوانی(۸)

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے(۹)

ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفَس
لوگ جانیں طبلہ عنبر کھلا(۱۰)

یہاں غزل خوانی کے معنی صنفِ غزل نہیں بلکہ 'شاعرانہ اظہار' کی خواہش ہے۔ آئین غزلِ خوانی سے مُراد شاعری کے فنی رموز ہیں۔ شاعر کا داخل جب ہیجانی کیفیات سے گزرتا ہے، اپنے جذب و فکر کے تار و پود کی بُنت کاری پر آمادہ ہوتا ہے تو شعر کے تخیلاتی نظامِ جمال میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے، شاعری کا انتخاب کرتا ہے۔

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ
پھر ہوا تازہ سودائے غزل خوانی مجھے(۱۱)

فصل بہاری کی آمد ناقابلِ بیاں نشاط کا پیش خیمہ ہے جو غزل خوانی یعنی شاعری میں اظہار کا جنوں پیدا کرتا ہے۔ غالب کے ہاں یہی لفظ 'غزل'، شاعری کبھی نغمہ یا نالہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1, 2024

شوخیِ مضرابِ جولاں آبیارِ نغمہ ہے
برگِ ریز ناخنِ مطرب بہارِ نغمہ ہے(۱۲)

غزل کے علاوہ نئی صنف سخن کی خواہش غالب کا کبھی مطمح نظر نہیں رہی۔نہ ہی غالب کے مزاج میں اس طرح کی نئی روایت کا فروغ شامل تھا۔

غالب کے موضوعات ہمیں زندگی کے جدید رویوں کا ساتھ دیتے دکھائی دیتے ہیں مگر اُس وقت کی نئی اور جدید سماجی زندگی کی کروٹیں کلام غالب میں ناپید ہیں۔ انگریزی ثقافت کا مقامی ثقافتوں سے تصادم غالب کے دکھائی نہیں دیتا۔ہیئتوں اور نئی اصناف میں غالب نے کوئی اجتہاد نہیں کیا۔غالب کی شخصیت بھی جدید نہیں تھی،رسوماتی مشاغل،رہن سہن،طرزِ معاش؛سب روایتی اور قدیم۔اُن کی فکری کائنات جن چیزوں کی طرف مائل تھی،اُن کی شخصیت سے وہ غائب تھیں۔اُن کے قول وفعل میں بظاہر تضاد دکھائی دیتا ہے۔غالب زبان کے معاملے میں اس قدر کٹر ثابت ہوئے تھے کہ قاطع برہان والا سارا معرکہ زبان کے قدیم چلن(اسلوب)کی پیروی پر زور دینے سے وقوع پذیر ہوا۔پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب ہمارے عصر میں زندہ کیوں ہے؟غالب جدید کیسے ہیں؟غالب ہمارے زمانے کی جدت کا ساتھ کیسے دیتا ہے؟ناصر عباس نیر نے اُسے 'لازمانی ہم عصر' قرار دیا۔(۱۳)ایسا کیوں ہے؟صرف ہمارے ہی نہیں بلکہ آنے والے ہر زمانے کا ہم عصر کیوں ہے؟غالب کی داخلی کائنات کو دریافت کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ غالب کی ذات اپنے زمان ومکان میں اس قدر آزاد تھی کہ اُسے غالب کا 'شخصی' اتار چڑھاؤ بھی متاثر نہ کر سکا۔پورا زمانہ غالب کی فکری کائنات کو باہر سے دیکھتا رہا۔اگر سخن کا حصہ بنا بھی ہے تو اُن لاشعوری رشتوں کے ذریعے جو شخصیت نہیں ذات سے منسلک ہوتے ہیں۔ذات کے روزن سے کائنات کا کھلا میدان دکھائی دینے لگتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر:تاریخ ادبِ اردو جلد چہارم، مجلس ترقی ادب،لاہور،ص ۳۲
۲۔شریف الحسن،غالب کون،نگارشات پبلشرز لاہور،۱۹۹۸،ص ۹۴
۳۔کالی داس گپتا رضا،دیوانِ غالب کامل،انجمن ترقی اردو کراچی،۱۹۹۶،ص ۲۷
۴۔ایضاً،ص ۷۶
۵۔ایضاً ۸۷
۶۔وارث علوی،کچھ بچا لائے ہیں،گجرات اردو اکادمی،انڈیا،۱۹۹۰،ص ۱۱۹
۷۔دیوانِ غالب کامل،ص ۱۱۷
۸۔ایضاً،ص ۸۷
۹۔ایضاً ۱۹۸
۱۰۔ایضاً ۱۱۰
۱۱۔ایضاً ص ۲۳۱
۱۲۔ایضاً ۱۵۴
۱۳۔ناصر عباس نیر،ڈاکٹر،متن سیاق اور تناظر،سنگِ میل پبلشرز لاہور،۲۰۱۴،ص ۲۱۳